Fikr-o-Nasar (Islamabad) 31:2 (1993)

اسلام میں ثقافتی سفارت کاری کی بنیادیں ☆

مقالہ نگار: ڈاکٹر حسن فتح الباب
مترجم: انعام الحق غازی

اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے جو متعدد ذرائع بروئے کار لائے گئے ان میں سرفہرست سفارات تھیں، انہی سفارات کی بدولت اسلام کی روشن تعلیمات نے عام لوگوں کے ساتھ ساتھ حکمرانوں اور بادشاہوں کے ذہنوں کو بھی منور کیا۔ فاضل مقالہ نگار نے اس مقالے میں قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ میں ثقافتی سفارت کاری کی بنیادوں کا کھوج لگایا ہے۔

یہاں یہ وضاحت غیر ضروری نہ ہوگی کہ مقالہ نگار نے "ثقافتی سفارت کاری" کی ترکیب وسیع معنی میں استعمال کی ہے، درس و تدریس، تعلیم و تربیت، سائنسی تحقیق علمی جستجو، حکمت و دانش، علم و معرفت، فکر و نظر، فنون ادب اور فلسفہ، اجتماعی تجربہ و دانائی جیسے تمام پہلو اس میں سمو دیئے ہیں۔

اصل مقالے میں حوالہ جات موجود نہ تھے، ضروری حواشی کے ساتھ ساتھ کافی حد تک حوالہ جات کا بھی اہتمام کر دیا گیا ہے۔ (مترجم)

سفارت کاری یا ڈپلومیسی Diplomacy کی متعدد تعریفات (1) کی جاتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ لفظ بے شمار معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ پھر تاریخی تغیرات اور عوامل نے بھی اس کو نت نئے معانی پہنائے ہیں ۔ تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ Diplomacy (۲) ایک قدیم یونانی لفظ ہے جو پہلے پہل ان دستاویزات یا باہمی خطوط کے لئے استعمال ہوتا تھا جو حکمران اپنے رسمی اور سرکاری روابط میں ایک دوسرے کو ارسال کیا کرتے تھے۔ ان دستاویزات وغیرہ کو اخبار یا خط کی مانند تہہ کر لیا جاتا تھا، انہیں لے جانے والے کو Diploma کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد اہل روم نے اس لفظ کو لاطینی زبان میں سرکاری سند یا ایسی دستاویز کے لئے استعمال

☆ "اصول الدبلوماسیۃ الثقافیۃ فی الاسلام"۔ العدد ۳۲۳ جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ/نومبر ۱۹۹۳ء

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

کیا جس میں پیامبر یا سفیر کی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اس کو سونپی گئی ذمہ داری کا بھی ذکر ہوتا۔ یہ دستاویز پاسپورٹ کا کام دیتی تھی۔ کبھی اس دستاویز میں ان ضروری باتوں کا بھی اندراج ہوتا تھا جن کا خیال رکھنا سفیر یا مبعوث کے لئے لازم ہوتا مثلاً یہ کہ وہ بے حد خلیق ہو' رواداری اور شفقت سے کام لے اور ایسے کاموں سے اجتناب کرے جو اس پر تنقید کا باعث بنتے ہوں۔

بہرحال یہ یونانی الاصل لفظ مختلف مراحل سے گذرتا ہوا سترہویں صدی میں قدیم دستاویزات کی تحقیق کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا تاآنکہ اٹھارہویں صدی کے آخر تک اس میں وہ مفہوم بھی اجاگر ہو گیا جو آج تک متعارف چلا آ رہا ہے یعنی کسی ریاست کا اپنی خارجہ پالیسی کو گفت و شنید یا دیگر پرامن ذرائع و وسائل کے ذریعے چلانا۔ اگرچہ مذکورہ بالا مفہوم ہی زیادہ متداول اور مشہور ہے تاہم یہ لفظ اپنے اندر کئی مجازی معنوں کی وسعت بھی رکھتا ہے جیسا کہ ذھانت و ہوشیاری' عقلمندی اور معاملہ فہمی خاص طور پر اعتماد اور مقبولیت کے حصول کیلئے یا کسی مشکل سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے یا جھگڑے اور اختلاف میں پڑے بغیر کسی قضیے کا حل نکالنے کیلئے' مزید برآں درج ذیل مفہوم بھی اسمیں پایا جاتا ہے:

نرمی اور پیار سے کسی دور رس مقصد کا اس انداز سے حصول کہ دھونس اور زبردستی کی نوبت نہ آنے پائے کیونکہ زبردستی کبھی کبھار جنگ کا سبب بن جاتی ہے۔

موخرالذکر مفہوم حضرت معاویہ کے اس مشہور قول میں بھی نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے کہ:

"اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی تعلق رہ گیا ہو تو جب وہ اسے ڈھیلا چھوڑیں گے میں باندھ دوں گا اور جب باندھیں گے تو میں اسے ڈھیل دے دوں گا"

یہ قول جہاں اس ذھانت اور معاملہ فہمی پر دلالت کرتا ہے جس کیلئے بنوامیہ کے شروع کے حکمران اور عرب کے زیرک ترین فرمانروا مشہور تھے وہیں حکمرانی کے فن اور کسی ریاست کے عمومی تعلقات میں معاملات کے انتظام کے طریقہ کار کی وضاحت بھی کرتا ہے۔

مفہوم میں وحدت و تنوع

اگر ہم اس لفظ کے مذکورہ بالا معانی و مفاہیم کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ ' یہ تفصیلات میں تھوڑے بہت فرق کے باوجود' ایک ہی بنیادی نکتے کے اردگرد گھومتے ہیں اور وہ ہے : پر امن طریقوں سے طے شدہ خارجہ پالیسی پر عمل در آمد۔

سرہیرلڈ نکلسن (۳) (Sir Harold Nicolson) جو بابائے سفارت کاری کے نام سے مشہور ہیں ' نے بھی اس لفظ یعنی ڈپلومیسی کی وضاحت کرتے ہوئے یہ تصریح کی ہے کہ یہ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے. کبھی اس سے مراد خارجہ پالیسی لی جاتی ہے اور کبھی یہ گفت و شنید اور مذاکرات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ' خاص طور پر مذاکرات کے عمل میں جن اسالیب اور وسائل پر انحصار کیا جاتا ہے وہ اس کا مدلول ہوتے ہیں ۔ اور کبھی اس لفظ کا اطلاق خارجہ امور میں ایک خاص نوعیت کی خدمات جنہیں سفارتی روابط کا سلسلہ کہا جاتا ہے' پر ہوتا ہے ۔ بعض مقامات پر اس کا معنی خداداد صلاحیت لیا جاتا ہے' یہ خداداد صلاحیت اگر اچھے مفہوم میں ہو تو اس سے مراد بین الاقوامی مذاکرات کے عمل کو مہارت اور چابکدستی سے آسان بنانا ہوتا ہے اور اگر برے مفہوم میں ہو تو اس سے مراد چالاکی اور ہوشیاری لیا جاتا ہے ۔

ان تصریحات کے بعد نکلسن نے آکسفورڈ ڈکشنری کی بیان کردہ تعریف کو ترجیح دی ہے جس کا متن یہ ہے :

"ڈپلومیسی گفت و شنید اور مذاکرات کے ذریعے بین الاقوامی تعلقات کو آگے بڑھانے کے عمل کا نام ہے ۔ وہ طریقہ کار جو سفراء اور دیگر سفارت کار اس سلسلے میں اپناتے ہیں ڈپلومیسی کے ذیل میں آتا ہے ۔ سفارت کار کے کام اور فن کو بھی ڈپلومیسی کہا جاتا ہے "

سفارت کاری کی ایک جدید تعریف بھی ہمارے سامنے ہے جو جارڈن Garden نے کی ہے کہ :

"مختلف ممالک کے باہمی تعلقات اور مفادات کا علم ۔ یا ایسا فن جو مختلف اقوام کے مفادات میں ہم آہنگی پیدا کرے' زیادہ واضح الفاظ میں کہیں تو ایسی گفت و شنید اور مذاکرات کا علم یا فن جن کا مقصد دنیا کے تمام ممالک میں امن کا قیام' ان کی عزت نفس کی حفاظت اور ان میں باہمی احترام کی ترویج اور عالمی امن ہو"

ارنسٹ ساٹو Ernest Satow نے جو تعریف کی ہے وہ یوں ہے کہ :

"مختلف ممالک میں رسمی تعلقات کے قیام میں ذھانت اور فہم و بصیرت کا استعمال سفارت کاری کہلاتا ہے ۔ سفارت کار کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک اور جس ملک کے ساتھ اسے تعلقات قائم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے' دونوں کے مفادات میں ہم آھنگی پیدا کرے اور اپنے وطن کی عزت و احترام میں اضافہ کرے"

ڈاکٹر سموحی نے سفارت کاری کی تعریف عام ڈگر سے ذرا ہٹ کر کی ہے:

"بین الاقوامی قواعد و ضوابط ' راھنما اصول اور طریقہائے کار کا ایک ایسا مجموعہ جن کی مدد سے بین الاقوامی قانون کے افراد کے درمیان تعلقات کو منظم کیا جاتا ہے یعنی جو مختلف ممالک اور بین الاقوامی تنظیموں اور نمائندہ سفارت کاروں میں تعلقات استوار کرتا ہے ۔ یہ مجموعہ قواعد و ضوابط ان لوگوں کے حقوق ' خصوصی امتیازات اور ذمہ داریوں ' سرکاری فرائض کی ادائیگی کی شرائط ' بین الاقوامی قانون کے متعین کردہ ضابطوں کے نفاذ کے طریقہ کار اور مختلف اقوام کے باہم ٹکراتے ہوئے مفادات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے عمل کی وضاحت بھی کرتا ہے۔ بین الاقوامی کانفرنسوں اور اجلاسوں میں سیاسی مذاکرات کے انعقاد اور معاہدے وغیرہ کرانے کے فن کو بھی سفارت کاری کہا جاتا ہے"

ڈاکٹر سموحی نے سفارت کاری کے دوسرے پہلو کا یہاں ذکر نہیں کیا' یعنی وہ خصوصیات اور صفات جو ایک سفارت کار میں ہوتی ہیں یا ہونی چاہیں' تاہم لفظ ڈپلومیسی کی تشریح میں انہوں نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے' ان کے خیال میں :

"وہ خصوصیات جن سے ایک زیرک انسان اپنے سماجی تعلقات' تنازعات کے حل اور مشکل معاملات کے دوران کام لیتا ہے جیسا کہ ذھانت' مہارت' تجربہ' دانائی' عقلمندی' نرمی' معاملہ فہمی رازداری اور کسی کی دشمنی اور ناراضگی مول لیئے بغیر چابکدستی سے حصول مقصد جیسی صفات شامل ہیں ۔ چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ڈپلومیسی سے کام لے رہا ہے"

ڈپلومیسی اور سفارت کاری

سفارۃ تو خالصتاً عربی لفظ ہے جبکہ ڈپلومیسی (دبلوماسیہ) ان درآمد شدہ الفاظ میں سے ہے جو حال ہی میں ہماری زبان میں مستعمل ہونے ہیں۔ یوں بھی عربوں کو' زمانہ جاہلیت میں اور بعد از ظہوراسلام بھی' سفارۃ کی موجودگی میں اس لفظ یعنی ڈپلومیسی کے استعمال کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ ویسے بھی دونوں مترادف لفظ ہیں اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے چنانچہ جہاں ہم ڈپلومیسی اور ڈپلومیٹ کہتے ہیں وہیں سفارت اور سفیر بھی استعمال کرتے ہیں۔

عصر حاضر میں اصطلاحی طور پر سفیر کسی ملک کی جانب سے بھیجے ہوئے ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کو کوئی کام سونپا گیا ہو ۔ وہ یہ کام دوسرے ملک کے نمائندوں سے بات چیت اور گفت و شنید یا سفارت کاری کے دیگر اسالیب کو بروئے کار لاتے ہوئے سرانجام دیتا ہے ۔ بالفاظ دیگر سفیر دوسرے ملک میں ہونے والے تمام اہم مذاکرات کے دوران اپنی حکومت کی جانب سے نمائندگی کا فریضہ ادا کرتا ہے ۔

سیاسیات کے عرف میں سفیر وہ شخص کہلاتا ہے جو کسی سیاسی گروہ کی جانب سے رسمی طور پر نیابت یا نمائندگی کیلئے بھیجا جائے ۔

کبھی کبھار سفیر کی ذمہ داری کسی سربراہ مملکت یا اہم حکومتی شخصیت کو ذاتی خط ' زبانی پیغام یا کوئی خصوصی مراسلہ پہنچانے تک محدود ہوتی ہے۔

قانون سفارت کاری اور بین الاقوامی عرف نے ' اپنی مسلسل عمل پذیری کی بدولت سفیروں اور دیگر سفارت کاروں کو خصوصی تحفظات اور استثنائی اختیارات تفویض کیئے ہیں جو سفارتی حقوق و امتیازات اور تحفظات کے نام سے جانے جاتے ہیں ۔

کسی سفیر کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ طرفین میں تعلقات کے قیام میں کس حد تک کامیاب ہوا' مزید برآں اسمیں لازمی خصوصیات مثلاً دانش مندی' عقلمندی ' معاملات کی انجام دہی میں صبرواستقامت ' نرمی اور کچھ لو اور کچھ دو جیسی صفات کس حد تک پائی جاتی ہیں جن کی طرف حضرت معاویہؓ کے اس قول میں بھی اشارہ ملتا ہے جس کا ابھی ذکر ہوا۔

اسلام سے پہلے سفارت کاری

لفظ سفارت کاری (السفار ۃ) اپنے جدید مفہوم میں عرب تاریخ اور تاریخ اسلام دونوں میں جانا پہچانا رہا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جاہلیت میں سفارت کاری ان مناصب میں سے تھی جو قبیلہ قریش یا اس کی شاخوں کیلئے مختص تھے۔ ان کے ہاں اس کا مفہوم یہ تھا کہ جب ان کے اور دیگر قبائل کے درمیان جنگ چھڑ جاتی تو وہ اپنے ایک شخص کو سفیر مقرر کرتے جو دشمن قبائل سے صلح کے معاملات طے کرتا اور اگر مخالف قبیلہ صلح کی بجائے فخر و مباہات سے کام لیتا تو جوابی کارروائی کی ذمہ داری اسی سفیر کو سونپ دی جاتی۔ قبل از ظہور اسلام جن صلح جو سفراء نے شہرت پائی ان میں ہرم بن سنان اور الحارث بن عوف قابل ذکر ہیں جنہوں نے جنگ میں گتھم گتھا قبائل عبس اور ذبیان کے درمیان صلح کرائی اور انہیں جنگ کی ہولناکیوں سے بچا لیا (۵)

مکہ میں سفارت ایک معروف ذمہ داری تھی ' اسی کے ذریعے قبیلے کی نمائندگی ہوتی تھی تاکہ لڑائی کے بعد صلح کی کوششوں کو آگے بڑھایا جا سکے یا دیگر تمام قبائل سے گفت و شنید کی جا سکے یہ کام بنوعدی کے سپرد تھا جو قریش کی ہی ایک شاخ تھے۔ حضرت عمر نے بھی قبل از اسلام سفارت کا فریضہ سرانجام دیا تھا۔ سفارت کاری کے دیگر مقاصد میں قبائل کی جانب مختلف اغراض کیلئے وفود بھیجنا بھی شامل ہوتا تھا مثلاً تہنیتی پیغامات کی ترسیل' تعزیت یا مشورے کیلئے۔ مذاکرات اور بات چیت کیلئے یا ایک دوسرے کی مدد کا معاہدہ کرنے کیلئے یا بادشاہوں اور قبائلی سرداروں کی شادی کی تقریبات طے کرنے کیلئے یا خوبصورت اور نفیس تحائف پہنچانے کیلئے ۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ عربوں اور دیگر ہمسایہ قبائل' اقوام اور ممالک کے درمیان سفارت کاری کا ایک مکمل نظام رائج تھا اور انہوں نے اس سے باہمی روابط کے فروغ میں بھرپور استفادہ کیا' یہی وجہ ہے کہ قبل از اسلام عربوں کی تاریخ وفود کے تبادلوں اور سفارتی سرگرمیوں سے بھری پڑی ہے' کیونکہ ان کیلئے جزیرہ نما عرب کی جغرافیائی تنہائی سے نکلنے کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ اسی کی بدولت انہوں نے مشرق میں حیرہ کے حکمرانوں ' جو کہ سلطنت ایران کے تابع تھے اور شمال میں غسانہ جو کہ رومی سلطنت کے تابع تھے' کے ساتھ اشیاء کے تبادلے کی تجارت کو فروغ دیا' بعد میں یہی تعلقات قبائل کی باہمی جنگوں کے دوران مدد طلب کرنے کے کام آتے رہے ۔

قبل از اسلام بھی عرب سفارت کاری بہت وسعت پذیر رہی ۔ اسی کی بدولت صلح، جنگ اور صلح کے بعد کے معاملات جیسا کہ قیدیوں کا تبادلہ، دیتوں کی ادائیگی اور امن و سلامتی کا قیام جیسے امور طے ہوا کرتے تھے ۔ جزیرہ نما عرب کے جغرافیائی محل وقوع اور اسکی اسٹریٹجک اہمیت نے بھی عربوں کو اس بات کی طرف راغب کیا کہ وہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ مضبوط تعلقات قائم کریں کیونکہ ان کے اردگرد قدیم تہذیبوں کے مراکز پھیلے ہوئے تھے عراق میں آشوری تہذیب، شام میں فینقیوں کی تہذیب اور ایران میں فارسی تہذیب و تمدن تھا، اس پر مستزاد یہ کہ جزیرہ عرب جغرافیائی لحاظ سے مصر کی فرعونی تہذیب کے بھی قریب تھا۔ اس کے علاوہ اسوقت کی دو بڑی طاقتوں، ایران اور روم کے ساتھ عربوں کے گہرے روابط تھے چنانچہ تاریخ میں سرحدوں پر رہائش پذیر عرب قبائل اور ان دونوں طاقتوں کے درمیان مسلسل سفارتی سرگرمیاں دیکھنے میں آتی رہی ہیں۔

جزیرہ عرب قدیم تجارتی قافلوں کی ایک اہم گذرگاہ اور آماجگاہ رہا ہے، اس دور کی تجارت کے دو راستے زیادہ نمایاں تھے : ایک وہ جو خلیج عرب اور دجلہ کے ساتھ ہوتا ہوا شام سے گذر کر فلسطین کی طرف نکل جاتا تھا اور دوسرا مغربی راستہ جو کہ بحر احمر کا تھا ۔ ان ہی دو راستوں سے مشرق و مغرب کی تجارت ہوا کرتی تھی ۔

جزیرہ نما عرب کی اس کاروباری اہمیت اور ان تجارتی سرگرمیوں کا تقاضا تھا کہ انسانی گروہوں میں باہمی تجارتی روابط کی ترویج کیلئے گفت و شنید اور مذاکرات کے سلسلے چلتے اور معاہدے طے پاتے ۔ تاریخی کتب ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہیں جن میں عربوں نے گفت و شنید کی غرض سے بادشاہوں کے درباروں میں ایلچی اور وفود روانہ کیئے، ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن میں دوسرے ممالک کے حکمرانوں نے عربوں سے مدد طلب کرنے کیلئے وفود بھیجے ۔

ان بیرونی تجارتی تعلقات کے ساتھ ساتھ جزیرہ عرب کی اندرونی سیاسی قوتوں میں بھی ایسے ہی روابط موجود تھے ۔ وہ تجارتی راستہ جو جنوب میں یمن اور شمال میں مکہ کو آپس میں ملاتا تھا اور جس کے ذریعے شام، مکہ اور یمن کے درمیان تجارت ہوا کرتی تھی اس کا ذکر قرآن کریم میں بھی "سردی و گرمی کے سفر" (۶) کے علامتی اشارے سے ہوا ہے۔

ان تجارتی تعلقات کو مزید فروغ دینے کیلئے ایک طرف قبائل کے درمیان باہمی طور پر اور دوسری طرف بحیثیت مجموعی عربوں اور دیگر ممالک کے مابین سفارتی روابط اور معاہدے ہوا کرتے تھے۔

شمال اور جنوب میں پائے جانے والے مقدس مقامات ' جیسے کہ شام میں بیت المقدس اور مکہ میں خانہ کعبہ ' نے بھی ان ہمہ جہت روابط کو مزید استحکام بخشا۔ ان مقامات کی زیارت اور حج کیلئے آنے والے عرب اور غیرعرب باشندے آپس میں ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھتے جس کے نتیجے میں معاہدے وغیرہ طے پاتے۔

زمانہ جاہلیت کی ایک مشہور سفارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی تھی جو وہ ' مکہ پر حملہ آور حبشہ کے حکمران ابرہہ کے دربار میں لے کر گئے ' اس سفارت کا مقصد ان اونٹوں کی واپسی تھا جو حملہ آوروں کے ہراول دستوں نے ہتھیالیئے تھے۔ (۷)

سد مأرب پر ایک ایسا نقش دریافت ہوا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ۵۴۳ عیسوی میں جب ابرہہ نے حمیریوں کو شکست دے کر یمن میں پہلی عیسائی ریاست قائم کی تو مختلف ممالک کی طرف سے اسے تہنیتی پیغامات ارسال کیئے گئے ' وہ نقش اسطرح سے ہے :

" ان کی طرف نجاشی اور فرمانروائے روم اور ایران کی طرف سے سفارتیں آئیں ۔ المنذر (جو حیرہ کا حکمران تھا) الحارث بن جبلہ اور ابو خیر بن جبلہ کے نمائندے آئے اور سب ہماری رضامندی اور خوشنودی کے طلبگار ہوئے اور یہ طاقت رحمن کی جانب سے عطا ہوئی ہے"

حضرت عمرؓ قریش کے آخری سفیر تھے ' جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کیونکہ اس کے بعد اسلام کا ظہور ہو گیا تھا۔

ظہور اسلام کے بعد جس طرح زندگی کے دیگر شعبوں ' سیاست ' معاشرت ' اور اقتصادیات میں تبدیلیاں آئیں ایسے ہی عرب سفارت کاری کی تاریخ میں نہایت بنیادی قسم کے تغیرات واقع ہوئے۔

اسلام نے سفارت کاری کو تجارتی تعلقات کی تنگنائیوں سے نکال کر اسے وسعت کی بلندیوں سے آشنا کیا۔ اسلامی ریاست نے سفارت کاری کے قواعد و ضوابط مقاصد' اسالیب اور راہنما اصول اس طرح وضع کئے کہ دعوت اسلامی کی نشو ونما اور ترویج اس کا مطمح نظر تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے' جو مسلمان سفراء کے سب سے پہلے استاد ہیں' اسلام کی نشرواشاعت' تالیف قلوب' اور قبائل اور دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں سفارت کاری کو بنیادی ذریعہ بنایا۔ انہی کی ذات گرامی نے نظام سفارت کاری کی نوک پلک درست کی' اس کے قواعد و ضوابط' مناہج اور اسالیب وضع کئے' جن کی بعد میں خلفائے راشدین نے پیروی کی تاکہ اسلامی ریاست کی بنیادیں مستحکم ہوں اور وہ اپنے وجود اور عقیدے کا دفاع کر سکے۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی تھی جس نے قریشی قبائل کے درمیان ایک یقینی جنگ کو ختم کرا دیا تھا' جب حجر اسود رکھنے پر ان کے درمیان شدید نزاع پیدا ہو گیا تھا۔ نبی اکرمؐ نے اس جھگڑے کا جو حل نکالا تھا وہ ان کی عقل رسا اور وسعت نظر کی بین دلیل تھا اور یہی وہ دو اہم خصوصیات ہیں جو سفارت کاروں کی کامیابی کی ضمانت بنتی ہیں۔

متذکرہ بالا دو خصوصیات یا دیگر لازمی صفات' جن کا ہونا کامیاب سفارت کار کیلئے ضروری ہے' ان کا سرچشمہ خالص اسلامی اصول ہی ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی درج ذیل آیات اس پہلو پر خوب روشنی ڈالتی ہیں:

"یا ایھاالناس انا خلقنکم من ذکر و انثی' وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا' ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم (۸)۔

ترجمہ (۹): اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا' تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو' اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

"ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (۱۰)۔

ترجمہ: آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیں اور اگر (بحث آن پڑے تو) ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے (کہ اس میں شدت و خشونت نہ ہو)۔

-ولا تجادلوا اهل الکتاب الا بالتی هی احسن الا الذین ظلموا منهم وقولوا آمنا بالذی انزل الینا و انزل الیکم و الهنا والهکم واحد ونحن له مسلمون (۱۱)۔

ترجمہ: اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ مت کرو' ہاں جو ان میں زیادتی کریں۔ اور یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم تو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

-ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینک وبینه عداوة کانه ولی حمیم (۱۲)۔

ترجمہ: اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی (بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے تو (اب) آپ (مع اتباع) نیک برتاو سے (بدی) کو ٹال دیا کیجئے۔ پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جاوے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔

-فبما رحمة من الله لنت لهم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک (۱۳)

ترجمہ: بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے' اور اگر آپ تندخو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔

عہد رسول میں اسلامی سفارت کاری کی سرگرمیاں ان خطوط اور وفود کی صورت میں کارفرما دکھائی دیتی ہیں جو آپؐ نے عرب قبائل اور ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجے تھے مثلاً آپؐ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی' ایران کے کسری اور قبطی بادشاہ مقوقس کو خطوط ارسال کئے جن کا آغاز اس قرآنی عبارت سے ہوتا تھا کہ

سلام علی من اتبع الهدی ۔ جس نے ہدایت اپنائی اس پر سلامتی ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین نے یہ سلسلہ جاری رکھا' انہوں نے بھی دعوتی خطوط اور سفارتی وفود بھیجے۔ پھر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان میں کئی اور مقاصد بھی شامل ہو گئے جیسا کہ تجارت کے فروغ کے لئے سفارات کا تبادلہ' عطیات کا تبادلہ' تنازعات کا خاتمہ' معاہدوں پر دستخط' آغاز جنگ سے قبل فریق مخالف کو مائل بہ امن کرنے کے لئے ترغیب و ترہیب' جنگ کے خاتمے اور صلح کے لئے معاملات کا تصفیہ' قیدیوں کا تبادلہ اور

فدیہ کی ادائیگی کے بعد آئندہ خبردار کرنا وغیرہ جیسے معاملات بھی سفارت کاری کا حصہ بن گئے۔

دعوت اسلامی میں ثقافتی سفارت کاری کی بنیادیں

اسلامی سفارت کاری کا ایک بنیادی مقصد اور اہم ترین شاخ ثقافتی سفارت کاری ہے ثقافتی سفارت کاری کا آغاز اسوقت ہوا جب حضرت مصعب بن عمیر کو تعلیم و تربیت کی غرض سے مدینہ روانہ کیا گیا۔ اس کے بعد دمشق اور اندلس کے اموی عہد اور عباسی دور میں یہ خوب پروان چڑھی۔ ثقافتی سفارت کاری کا سرچشمہ بھی قرآن کریم اور احادیث نبوی ہی ہیں۔ مختلف ادوار میں اسلامی ریاست اور دیگر ممالک کے درمیان ثقافتی روابط کے آغاز یا فروغ کیلئے جو سفارتی سرگرمیاں دکھائی دیتی ہیں ان کا منبع و اساس یہ ہے کہ مسلمانوں نے۔ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں۔ علم کو زندگی کا بنیادی عنصر بلکہ ریاست کی اساس سمجھ کر ثقافت کو معاشرے کا جوہری جزو قرار دیا اور سفارت کاری کو امن و آشتی اور علم و دانش کے فروغ کا ذریعہ بنایا۔ مسلمان خلفاء اور حکمرانوں نے پیغام خداوندی کی روح کو اپنے اندر سمونے کے ساتھ ساتھ اس بات کا ادراک بھی کیا تھا کہ علم کسی معاشرے کی تشکیل و تعمیر اور انسانی مستقبل کی ترقی کیلئے بے شمار راہیں کھول دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حصول علم کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کیا تاکہ اس سے روئے زمین کا ہر فرد فیضاب ہونے کے بعد دعوت اسلامی کو شعور اور عقلی گہرائی سے سمجھ سکے۔ اس سلسلہ میں ان کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ تھا جب غزوہ بدر میں آپ نے مشرکین کے قیدیوں کو اس شرط پر آزاد کیا کہ ہر قیدی دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ جان کے بدلے جان کا فدیہ والے اسلامی قانون جیسا ہی معاملہ ہے۔ دراصل جہالت انسان کی دشمن اور انسانیت کی قاتل ہے اس لیئے جب کسی ریاست کی بنیادیں استوار کی جا رہی ہوں تو انسانوں کو جہالت کی غلامی سے نکال کر انہیں علم و حکمت کے نور اور بصیرت سے آشنا کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دعوت لے کر آئے اس نے علم و دانش کے میدان میں انقلاب بپا کر دیا اسلام کی نظر میں علم اور اہل علم کی بڑی وقعت ہے' اس نے اہل علم کو انبیاء کے وارث اور معاشرے کے معزز ترین افراد قرار دیا ہے۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے کسی فرد کی قدر و

منزلت کا معیار اس کا عمل اور فکری وسعت و عقلی بلندی ہے ۔ اسلام لوگوں کو حصول علم و حکمت کیلئے متعدد ذرائع اپنانے کی ترغیب دیتا ہے' فرامین الٰہی ہیں :

- قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون (۱۴) -

ترجمہ : آپ کہئے کیا علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہوتے ہیں ؟

- وقل رب زدنى علما (۱۵) -

آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے

- وما يعقلها الا العالمون (۱۶) -

اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی لوگ سمجھتے ہیں

- انما يخشى الله من عباده العلماء (۱۷) -

خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اسکی عظمت کا) علم رکھتے ہیں

- فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون (۱۸) -

سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے' تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو' جبکہ وہ ان کے پاس واپس آویں' ڈراویں تاکہ وہ (ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے) احتیاط رکھیں۔

بلکہ قرآن کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت کی بنیاد ہی حصول علم کی اہمیت ہے:

- اقرا باسم ربک الذى خلق' خلق الانسان من علق' اقرا و ربک الاكرم الذى علم بالقلم علم الانسان مالم يعلم (۱۹)

ترجمہ : اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ (پڑھو) قرآن (نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے ' جس نے (مخلوقات کو) پیدا کیا ۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ۔ آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور ایسا ہے) جس نے (لکھے پڑھوں کو) قلم سے تعلیم دی (اور عموماً) انسان کو (دوسرے ذرائع سے) ان چیزوں کو تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

ذات باری تعالی نے قرآن میں ایک جگہ تو قلم کی قسم بھی کھائی ہے:

- والقلم وما یسطرون (۲۰) -

ترجمہ: قسم ہے قلم کی اور (قسم ہے) ان (فرشتوں) کے لکھنے کی (جو کاتب الاعمال ہیں)۔

احادیث میں حصول علم کو فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"حصول علم ہر مسلمان پر فرض ہے" (۲۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

"جب ابن آدم وفات پا جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے، وہ یہ ہیں: صدقہ جاریہ یا ایسا علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے یا نیک اولاد جو اس کیلئے دعا کرتی رہے" (۲۲)

ایک اور فرمان نبوی ہے کہ:

"اللہ جس سے بہتری چاہتا ہے اسے دین کا فہم عطا کر دیتا ہے" (۲۳)

اسلام جب علم کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس سے مراد دینی اور دنیاوی دونوں طرح کے علوم ہوتے ہیں اس نے علم پر سوائے اخلاقی اور دینی مشروعیت کی قید کے کوئی اور حدود و قیود نہیں لگائیں۔ خلفائے راشدین کے عہد میں علم پوری دنیا میں دعوت اسلامی کی نشرواشاعت کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی حکومت کے استحکام اور پھیلاو کا بھی سبب بنا۔ اسی مفہوم میں حضرت عمر نے فرمایا کہ:

"سیادت و حکمرانی کرنے سے پہلے فہم و دانش حاصل کرو"

خلفائے راشدین اور تمام صحابہ کرام ارشاد نبوی کے موجب ہدایت کے چراغ، منبع علم اور سرچشمہ حکمت۔ جو کہ علم کی انتہا ہے۔ تھے۔

جن ادوار میں قیادت علم اور اہل علم کے ہاتھوں میں رہی ان میں اسلام کو بہت عروج حاصل ہوا اور جب امت میں بدعات اور خرافات، جیسے کہ اسرائیلیات وغیرہ ہیں، در آئیں تو

اسلامی ریاست انحطاط اور اضمحلال کا شکار ہو گئی' ' اسکی وجہ یہ ہے کہ اسلام علم' تہذیب و تمدن اور ترقی کا دین ہے اور صحیح ایمان کی بنیاد ٹھوس علم پر ہی ہوتی ہے " کیونکہ دین اور علم ۔ جیسا کہ مشہور فلسفی ہکسلے (Huxley) کہتا ہے ۔ دونوں لازم و ملزوم اور جڑواں ہیں' اگر ان کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے تو دونوں ہی کی موت واقع ہو جائے گی' علم دین کے سائے میں پھلتا پھولتا ہے اور دین علم کے ذریعے اپنی سچائی ثابت کرتا ہے "

ہربرٹ سپنسر (Herbert Spencer) نے درست کہا ہے کہ :

" علم' دین کے نام پر لوگوں میں پھیلی ہوئی اوھام پرستی کا دشمن ہے تاہم وہ اس سچے دین کا قطعاً مخالف نہیں جس کو اوہام و خرافات کے ذریعے اکثر چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے "

بیکن (Bacon) نے کیا سچ کہا ہے کہ :

" تھوڑا علم اللہ سے دوری اور علم کی فراوانی اللہ سے قرب کا سبب بنتی ہے "

قرون اولی کے مسلمانوں کا شوق جستجو

اسلام کے یہی سنہری اصول و مبادی تھے جنہوں نے اسلامی ریاست کو پہلے مدینہ اور پھر مکہ میں استحکام بخشا اور پھر وہیں سے ایک مضبوط اور نئی تہذیب نے دنیا کو اپنی آغوش میں لے لیا ۔ مسلمانوں میں سائنسی جستجو اور علمی تحقیق کا شوق پیدا ہوا اور انہوں نے فطرت' کائنات اور انسان کے اسرار و رموز سے آگہی کا بیڑہ اٹھایا ۔ قدیم مصنفین نے ایسے کئی حیران کن واقعات کا ذکر کیا ہے جس میں ہمارے اسلاف نے وسائل سے تہی دامن ہونے کے باوجود کائناتی حقائق جاننے کیلئے خطرات میں بے خوف و خطر کود پڑنے سے بھی گریز نہیں کیا ۔ حالانکہ نہ تو انھیں آج کی طرح وسائل اور ذرائع میسر تھے اور نہ ہی وہ ٹیکنالوجی' فضائی ترقی اور مواصلاتی انقلاب کی برکات سے بہرہ مند تھے ۔

قرون اولی میں علمی حقائق سے آگہی کی اس مہم جوئی میں خود عربوں کی فطرت کا بھی دخل رہا ہے کیونکہ عرب اپنی صحرائی نشوونما کی بدولت بنیادی طور پر سیلانی ہوتے ہیں' مشکلات

کی پرواہ کیئے بغیر اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کا جذبہ ان میں بدرجہ اتم ہوتا ہے۔ اسلام نے ان کے اس جذبے کو مہمیز دی اور انہیں علم' ادب' فلسفہ' فن اور صنعت و حرفت کے میدانوں میں جستجو کی ترغیب دی۔ یہ دین اسلام کے فہم اور اس کے انسانیت پر مبنی پیغام کے ادراک ہی کا کرشمہ تھا کہ اوائل دور میں فقہا' سائنسدانوں اور فلاسفہ نے تحصیل علم میں انتھک محنت سے کام لیا۔ فہم قرآن کیلئے کی جانے والی جستجو کو مسلمان مقصد حیات اور توشہ آخرت گردانتے تھے۔ حضرت ابو الدرداء کا درج ذیل قول اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے' انہوں نے فرمایا کہ :

"اگر مجھے کسی قرآنی آیت کا مطلب سمجھ میں نہ آئے اور مجھے پتہ چلے کہ برک الغماء (انتہائے یمن میں ایک ایسی جگہ کا نام ہے جو طویل فاصلے اور مشکل اور خطرناک راستے کی وجہ سے مثال بن گئی تھی) میں ایک شخص میری یہ مشکل آسان کر سکتا ہے تو میں وہاں جانے سے بھی نہیں ہچکچاوں گا"

یہی وہ اعلی آدرش ہے جو علم و حقیقت کے طلبگار کا مطمح حیات ہوتا ہے شعبی کا قول ہے:

"اگر کوئی شخص حکمت و دانائی کا ایک لفظ سننے کیلئے انتہائے شام سے انتہائے یمن تک سفر کرے تو میرے خیال میں اس کا سفر ضائع نہیں گیا"

ثقافتی سفارتیں : انسانی بھائی چارے کا ذریعہ

اسلام جب حصول علم کو فرض قرار دے کر اہل علم و دانش کو معاشرے میں اعلی مقام و مرتبہ عطا کرتا ہے اور اللہ کے گھروں کو مراکز علم بنانے اور علم و حکمت کے راستے میں مصائب کی پرواہ نہ کرنے کا حکم دیتا ہے تو دراصل وہ اس حقیقت کو آشکار کرنا چاہتا ہے کہ علم ہی کسی فرد یا گروہ کو زندگی اور عقیدے کا صحیح شعور اور ادراک بخشتا ہے' اسی کے ذریعے ایک قابل احترام فلاحی معاشرہ وجود میں لایا جا سکتا ہے۔ بلکہ اسلام ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ بھی باور کرانا چاہتا ہے کہ علم کے ذریعے ہی ان رکاوٹوں کو دور کیا جا سکتا ہے جو انسانوں کے درمیان دیواریں کھڑی کر کے انھیں گروہوں اور فرقوں میں تقسیم کر دیتی ہیں۔ اسلام کی نظر میں اقوام و قبائل کی تقسیم تو صرف شناخت کیلئے ہے۔ انسانوں میں تفریق پیدا کرنے والی ان دیواروں کو منہدم کرنے کا ذریعہ مشترکہ انسانی علم و ثقافت کی ترویج اور افکار کا باہمی تبادلہ ہے۔

جب ایک مسلمان کائناتی اور انسانی حقائق کی جانکاری کیلئے کمر بستہ ہوتا ہے تو اس کی مڈبھیڑ نت نئے علاقوں، افراد اور انسانوں سے ہوتی ہے، یہاں وہ ایک طرح کی تنہائی کا شکار ہوتا ہے جس سے نکلنے کا واحد ذریعہ اسرار و حقائق سے آگہی کی خاطر تعاون و بھائی چارے پر مبنی فکری ملاپ ہے۔ یہی فکری ملاپ مختلف بلکہ ایک دوسرے سے متنفر طبائع اور متناقض آراء و خیالات کو باہم قریب لاتا ہے جس کے نتیجے میں انسانی فلاح کیلئے مشترک جدوجہد کرنے کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

اس باہمی ثقافتی لین دین کے سنہری اصول کا سرچشمہ بھی قرآن کریم کی ہی تعلیمات ہیں اس اصول کے مطابق انسان کو مشترکہ اغراض کے حصول اور مادی و معنوی فوائد کے تبادلے میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیے۔

- هو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبها وکلوا من رزقه و الیه النشور۔ (۲۴)

ترجمہ: وہ ایسا (منعم) ہے جس نے تمہارے لیئے زمین کو مسخر کر دیا سو تم اس کے رستوں پر چلو (پھرو) اور خدا کی روزی میں سے کھاو (پیو) اور اس کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

- ومن یهاجر فی سبیل الله یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعة ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله (۲۵)۔

ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالی کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش۔ اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا پھر اس کو موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالی کے ذمے۔

ثقافتی سفارت کاری دعوت اسلامی کی ہی ایک شاخ اور اس کے پیغام کا جوہر ہے کیونکہ اس کا مقصد خالق کائنات کی وحدانیت اور خلق کائنات کی غایت کو دلوں میں راسخ کرنا ہے اور یہ درس دینا ہے کہ علم کے معاملے میں انسان میں کوئی تفریق نہیں اور حق وصداقت، عدل و

انصاف اور آزادی کا بول بالا ہونا چاہئے۔

مسلسل سفارت کاری کے عمل کے نتیجے میں مختلف ممالک کے درمیان جو ثقافتی تبادلے وقوع پذیر ہوتے وہ انسانی گروہوں اور بین الاقوامی عمومی قانون کے افراد کے مابین اجنبیت کم کرکے تعلقات کو تقویت دینے کا سبب بنتے ہیں۔ تنازعات حل کرکے امن و سلامتی کا ضامن بنتے ہیں کیونکہ مادی اشیاء کے تبادلے جیسے تجارت اور معنوی تبادلے جیسے افکار کا تبادلہ دو ایسی چیزیں ہیں جو شکوک و شبہات دور کرکے انسانوں میں اشتراک عمل اور تعاون کی ایسی فضا قائم کرتے ہیں جس کے سائے تلے عالمی امن پروان چڑھتا ہے اور بین الاقوامی خاندان کے افراد میں' سماجی' سیاسی اقتصادی اور عقیدے کے اختلاف کے باوصف' مل جل کر رہنے کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سفارت کاری کی اصطلاحی تعریفات' تاریخی پس منظر اور اس کے مختلف پہلوؤں کی تفصیلات کے لئے درج انگریزی ماخذ وافر مواد مہیا کرتے ہیں:
Encyclopaedia of The Social Sciences۔ جلد نمبر ۴' ص: ۱۸۷ ومابعد
Reprint ed.1972
The Macmillian Company and The Free press New York
The New Book of Knowledge۔ جلد نمبر ۹ ص: ۳۲۳ ومابعد ۱۹۸۳ء
GROLIER INCORPORATED U.S.A.

۲۔ لفظ Diplomacy کی لغوی تشریح کیلئے دیکھئے:
The Compact Edition of the Oxford English Dictionary.
جلد نمبر ۱' ص: ۳۸۵
Oxford University Press U.S.A.1971

۳۔ HAROLD NICOLSON کے سیاسی و سماجی افکار اس کی مشہور تصنیف Diplomacy' تیسرا ایڈیشن' ۱۹۶۴ء مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نیویارک میں آگئے ہیں۔

۴۔ ERNEST SATOW کی مشہور کتاب ملاحظہ ہو:
A GUIDE TO DIPLOMATIC PRACTICE تدوین : Nevile Bland چوتھا ایڈیشن' ۱۹۶۲ء' لندن

۵۔ اس صلح کے فوائد و ثمرات کو دور جاہلیت کے جن شعراء نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا ان میں نمایاں ترین شاعر زہیر بن ابی سلمی ہے ملاحظہ ہو اس کا معلقہ۔

۶۔ سورہ قریش آیات ۱۔ ۲

۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد نمبر ۱ ص ۳۷۹ ومابعد، طبع ۱۹۸۰ء، لاہور

۸۔ سورہ حجرات ۔ ۱۳

۹۔ اس مقالے میں وارد آیات قرآنی کا اردو ترجمہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمہ قرآن سے لیا گیا ہے۔

۱۰۔ سورہ نحل ۔ ۱۲۵

۱۱۔ سورہ عنکبوت ۔ ۴۶۔

۱۲۔ سورہ حم السجدۃ آیت نمبر: ۳۴

۱۳۔ سورہ آل عمران ۔ ۱۵۸

۱۴۔ سورہ زمر ۔ ۹

۱۵۔ سورہ طہ ۔ ۱۱۴۔

۱۶۔ سورہ عنکبوت ۔ ۴۳

۱۷۔ سورہ فاطر ۔ ۲۸

۱۸۔ سورہ توبہ ۔ ۱۲۲

۱۹۔ سورہ علق ۔ ۱۔ ۵

۲۰۔ سورہ القلم ۔ ۱

۲۱۔ ابن ماجہ ۔ مقدمہ ص: ۱۷

۲۲۔ مسلم ۔ باب الوصیہ ص: ۱۴

۲۳۔ بخاری ۔ کتاب العلم ۔

۲۴۔ سورہ الملک: ۱۵

۲۵۔ سورہ النساء: ۱۰۰